مولانا دین محمد وفائی کا ایک علمی اور تاریخی سفر

مولانا دین محمد وفائی نے ۱۹۴۲ء میں پنجاب اور یوپی کا سفر کیا تھا۔ اس سفر کی تقریب یہ تھی کہ ۳، تا ۶، اپریل کو الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہونے والا تھا۔ مولانا وفائی سندھ سے اس کے ڈیلی گیٹ تھے۔ مولانا ۳۰، مارچ کو پشاور ایکسپریس سے روانہ ہوئے ۳۱، کی صبح کو لاہور پہنچے اور اسی روز ۸ بجے شام کو ہوڑہ میل سے دہلی روانہ ہوگئے۔ دوسرے روز یکم اپریل کو ۹ بجے صبح کے وقت دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں مولانا وفائی مرحوم نے کارونیشن ہوٹل میں قیام کیا اور ۲۴ گھنٹے قیام کے بعد دوسرے روز یعنی ۲، اپریل کو ہوڑہ میل سے الہ آباد کے لیے روانہ ہوگئے۔

مولانا وفائی نے لاہور تک تنہا سفر کیا تھا۔ لاہور سے روانگی کے وقت سندھ کے مولوی عبیداللہ سومرو اور بلوچستان کے میر جعفر خان جمالی کا ساتھ ہوگیا تھا اور دہلی سے راشدی برادران (پیر علی محمد راشدی اور پیر حسام الدین راشدی) شیخ عبدالمجید سندھی اور سید صالح محمد شاہ (راڈیرو لال) کا ساتھ ہوگیا تھا۔ مولانا وفائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی سے الہ آباد کا سفر پیر علی محمد راشدی نے فرسٹ کلاس میں کیا تھا اور دوسرے تمام حضرات بہ شمول پیر حسام الدین راشدی نے سیکنڈ کلاس میں، اور یہ کہ گاڑی پوری تیز رفتاری کے ساتھ زمین کا سینہ چیرتی ہوئی شام کو ۶ بجے الہ آباد پہنچی اور الہ آباد میں ۶، بجے مغرب کا وقت ہو جاتا ہے اور سندھ سے مشرق میں الہ آباد تک رات دن کے آغاز و اختتام میں کافی فرق پڑ جاتا ہے

پھروں کی تواضع

مولانا وفائی نے لکھا ہے کہ راشدی برادران تو اسٹیشن سے سیدھے "سندھ مٹی ہوٹل" میں چلے گئے، لیکن وہ اور ان کے دوسرے ساتھی کانفرنس کے کیمپ گئے جہاں سندھ کے ڈیلی گیٹوں کے لیے الگ تمبو لگائے گئے تھے۔ لیکن مولانا لکھتے ہیں کہ الہ آباد کے مچھروں نے مہمانوں کی ایسی تواضع کی کہ بایدو شاید —— اور دوسرے روز انھیں کیمپ چھوڑ دینا پڑا۔ شیخ عبدالمجید کو ان کے ایک دوست اپنے گھر لے گئے اور مولانا وفائی کو راشدی برادران اپنے ساتھ ہوٹل میں لے گئے۔ اگرچہ مچھروں کی تواضع اور مہمانداری کا سلسلہ کسی نہ کسی حد تک پھر بھی جاری رہا۔ مولانا نے سفرنامہ کے اس حصے کو یہ کہہ کر ختم کیا ہے کہ

ہر زمیں کہ رسیدیم آسمان پیداست

والا معاملہ تھا۔

کانفرنس کا نظارہ

مولانا وفائی مرحوم نے "الہ آباد کانفرنس کا نظارہ" کے عنوان سے ایک مختصر پیراگراف میں جلسے کی تمام روداد بیان کردی ہے اور اس میں بھی ان کی دل چسپی کی چیز مولانا حسرت موہانی اور مسٹر جناح کی جھڑپ تھی۔ اس جھڑپ میں بھی وہ مسٹر جناح کے مقابلے میں مولانا حسرت موہانی کے طرف دار نظر آتے ہیں، وہ لکھتے ہیں :

> "الہ آباد کانفرنس میں پورے ہندوستان کے مسلمان، آسام تک سے آئے تھے، یوپی کے مسلمان بہت زیادہ تعداد میں شریکِ جلسہ ہوئے تھے۔ پنڈال بہت عالی شان بنایا گیا تھا۔ کانفرنس کا سب سے دلچسپ نظارہ صرف یہ تھا کہ ہندوستان کے مشہور لیڈر اور شاعر حضرت "حسرت موہانی" مسٹر جناح سے اختلاف کرنے کے لیے کھڑے ہوگئے اور اگرچہ ان کا نکتہ اختلاف یقیناً قابل توجہ تھا لیکن ہزاروں کے مجمع نے اس پر توجہ دینے اور سننے سے انکار کردیا۔ اور ایک ایسا ہنگامہ پیدا ہوگیا کہ الاماں والحفیظ۔"

مسلم لیگ کے اس جلسے میں آل انڈیا رہنماؤں میں سے اور کون شریک ہوا، کس نے کس خیال کا اظہار

کیا کیا قراردادیں پاس ہوئیں۔ سیاسی اور صحافتی حلقوں میں ان کا ردعمل کیا ہوا۔ اور خود ان کی اس بارے میں کیا رائے تھی۔ اس کے اظہار سے ان کا قلم خاموش رہا ہے۔ البتہ اس سفر میں لاہور۔ دہلی، لکھنو امرتسر وغیرہ میں جن اہل علم سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور جن کتب خانوں کی سیر کی اور جو نوادرِ علمیہ انھوں نے دیکھے ان کے بارے میں اپنے تاثرات کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ عملی اور سیاسی سے زیادہ علمی و تہذیبی ذوق اور شخصیت کے مالک تھے اس سفر میں ان کی جن اہلِ علم سے ملاقاتیں ہوئیں تھیں اور جن کتب خانوں کی انھوں نے سیر کی تھی اس مضمون میں ان کے مشاہدات و تاثرات کو قلمبند کر دیا گیا ہے۔

شیخ محمد اشرف تاجر کتب لاہور:

اہلِ علم سے ملاقاتوں کا سلسلہ لاہور سے شروع ہو گیا تھا لاہور میں سب سے پہلے ان کی ملاقات شیخ محمد اشرف سے ہوئی تھی جو ان کے ہم مشرب تھے اور ان کی دینی خدمات سے بھی مولانا متاثر تھے ان کے بارے میں لکھا:

> "شیخ محمد اشرف ایک نہایت نیک کردار اور دین دار نوجوان ہیں جنھوں نے علامہ عبداللہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن چھپوایا ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور انگریزی طبقے کی لائبریروں کی زینت بنا۔ شیخ محمد اشرف لاہور کی انجمن اہل حدیث کے سیکریٹری بھی ہیں۔"

جگر مرادآبادی، حسرت موہانی اور مجروح الہ آبادی:

ان حضرات سے مولانا نے ملاقات تو نہیں کی لیکن مشاعرے میں شرکت ان کے کلام کی مقبولیت کا ذکر کیا ہے اور ان کے کلام کے بارے میں اپنی رائے بھی دی ہے مشاعرے میں شرکت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "مسلم لیگ کانفرنس کے ساتھ ایجوکیشنل کانفرنس، خواتین کی کانفرنس اور اردو مشاعرے کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔ سید حسام الدین راشدی ایک خوش ذوق اور علمی مذاق رکھنے والے شخص ہیں انھوں نے خواہش کی کہ مجھے بھی مشاعرے میں شریک ہونا چاہیے چونکہ ہندوستان کے مشہور شاعر جگر مرادآبادی کی آمد کا شہرہ تھا۔ ان کی خاطر ساری رات آنکھوں میں کاٹ دینی

پڑتی۔

صحابِ ذوق کے لیے مشاعرہ اپنی روایت کے مطابق ایک ہنگامہ اور طوفان بے تمیزی تھا جب کسی عام اور نئے شاعر کا نام پکارا جاتا اس کا کلام ہوٹنگ کی نذر ہو جاتا لیکن مجروح تخلص کے ایک الہ آبادی شاعر نے اپنی سریلی آواز، پڑھنے کے انداز اور فطری شاعرانہ کمال سے جس میں فن محاکات اعلیٰ درجے میں تھا، خوب رنگ جمایا۔

اس مشاعرے میں جگر مراد آبادی نے تین غزلیں پڑھیں۔ جنھیں سن کر سامعین جھوم اٹھے ان کے کلام میں داغ دہلوی کا رنگِ کلام پایا جاتا ہے۔ ان کا کلام سمجھنے کے لیے تھوڑے سے غور و فکر کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگر مراد آبادی ان شاعروں میں سے ہیں جن پر "تلامیذ الرحمٰن" کا لقب پوری طرح صادق آتا ہے ان کا کلام معنی اور حکمت سے مملو ہوتا ہے اور " ان من الشعر لحکمۃ " کا مصداق۔

اس مشاعرے میں مولانا حسرت موہانی نے بھی تین غزلیں پڑھیں جن کا رنگ اکبر الہ آبادی کا تھا۔ حسرت موہانی ایک پختہ گو اور چوٹی کے شاعر ہیں اور بابائے اردوئے معلّٰی بلکہ موجودہ زمانے کے استاذ الشعراء ہیں ان کے کلام کی کیا تعریف کیجیے"۔

الہ آباد کی تاریخی اہمیت اور یوپی کے مسلمان

مشاعرے کے تذکرے کے بعد مولانا وفائی نے الہ آباد کے قدیم شہر کی تاریخ اور ہندو مسلمانوں کی آبادی اور کاروبار میں ان کا تناسب پر روشنی ڈالی ہے۔ ہائی کورٹ اور یونی ورسٹی کی عمارتوں کو قابل دید بتایا ہے اور یہ بھی کہ اس شہر میں پنڈت موتی لال نہرو کے محلات، آنند بھون اور سوراج بھون ہیں۔ آنند بھون آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا دفتر اور سوراج بھون میں موتی لال نہرو کی رہائش تھی جسے انھوں نے کانگریس کو دے دیا تھا۔ اس تذکرے کے بعد لکھتے ہیں:

"الہ آباد کے گرد و نواح (علاقے) میں شاہی زمانے (مغلیہ عہد حکومت) سے لے کر موجودہ زمانے تک مسلمانوں کی نہایت معقول آبادی ہے اگرچہ یوپی میں مسلمانوں کی آبادی مجموعی طور پر ۱۶ فیصد ہے لیکن ان کے اتحاد اور ہمت کی بدولت ان کی اہمیت بہت ہے۔

ان میں تعلیم بھی عام ہے اور رئیسوں کی تعداد بھی معقول ہے جس کی وجہ سے وہ ایسی زندگی بسر کر رہے ہیں۔"

معلوم ہوتا ہے مولانا وفائی نے مسلم لیگ کے تمام اجلاسوں میں شرکت نہیں کی تھی بلکہ اجلاس ختم ہونے سے پہلے ہی وہ لکھنؤ آگئے اور دو روز وہاں کی سیر کرنے کے بعد دہلی چلے گئے تھے لکھنؤ میں انھوں نے نول کشور پریس اور ان کے کتب خانے کی سیر کی۔ ندوۃ العلماء کا کتب خانہ دیکھا۔ ڈاکٹر عبدالعلی مولانا محمد عمران، علامہ سید سلیمان ندوی سے ملاقاتیں کیں۔ مولانا عبدالباری آسی سے بھی ملاقات کی اور ان کا کتب خانہ دیکھا۔ صدیق بک ڈپو کی سیر کی اور آصف الدولہ اور نواب محمد علی خان کے امام باڑے دیکھے اور ۱۶ اپریل کی رات کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۱۷ اپریل کی صبح کو وہ دہلی پہنچ گئے

منشی نول کشور پریس و کتب خانہ

لکھنؤ شام کو پہنچے تھے راشدی برادران ساتھ تھے سنٹرل ہوٹل میں قیام کیا تھا۔ یہ ہوٹل چودھری خلیق الزماں کے بھائی شفیق الزماں کی ملکیت اور لکھنؤ کے صدر مقام امین آباد میں امین الدولہ پارک کے قریب واقع تھا۔ دوسرے روز سب سے پہلے حضرت گنج میں ہندوستان کے مشہور تاجر کتب اور ناشر منشی نول کشور کا کارخانہ دیکھنے گئے۔ نول کشور کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس وقت ان کے فرزند تھے منشی نول کشور پہلے ہندوستانی ہیں جنھوں نے اسلامی کتابوں کی طباعت کا کام شروع کیا اور ہزاروں دینی قلمی کتابیں چھاپ کر مسلمانوں پر احسان کیا وہ قرآن حکیم کی کتابت اور طباعت و اشاعت کا کام اس اہتمام سے کراتے تھے کہ پاک لباس اور وضو کے بغیر کسی شخص (مسلمان) کو کوئی چیز چھونے کی بھی اجازت نہ تھی۔

کارخانے میں پہنچ کر مولانا وفائی نے کارخانے کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ چناں چہ ان کی رہبری کے لیے دفتر سے ایک منشی ساتھ کر دیا گیا۔ مولانا لکھتے ہیں کہ ہم بڑے ہال میں داخل ہوئے جہاں بہت سے شیلف رکھے ہوئے تھے جن میں ہزارہا کتابیں حروف تہجی کی ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں۔ عربی فارسی اور اردو کتابیں کا اتنا بڑا ذخیرہ جو سب انھیں کے پریس کا چھپا ہوا موجود تھا کہ دیکھ کر عقل دنگ رہ گئی اس کے بعد ایک دوسرے ہال میں داخل ہوئے جس میں اسی طرح صرف ہندی کتابوں کا ذخیرہ تھا اور تین بڑے ہالوں میں اسکولوں کی درسی کتابوں کا خزانہ تھا۔ تقریباً نصف گھنٹے کی سیر کے بعد مولانا

منتریں آنے تہاں ایک بڑا عملہ اپنے اپنے کاموں میں معروف تھا کتب خانے سے پیر حسام الدین راشدی ۔ دہلا وفائی نے چند کتابیں خریدیں۔ پیر صاحب نے "نفحات الانفس" جامی اور تذکرہ حسینی (فارسی شعراء کے حالات میں ایک نایاب تذکرہ) خریدا اور مولانا وفائی نے اپنے لیے شیعہ مذہب کی مشہور کتاب "الصافی شرح اصول الکافی" پسند کی جو اس وقت ایک نایاب کتاب تھی۔

مولوی عبدالباری آسی

نول کشور کے کتب خانہ و پریس سے آتے ہوئے ہندوستان کے مشہور شاعر اور محقق مولوی عبدالباری آسی سے ملاقات کا ارادہ کیا۔ مولوی صاحب نول کشور پریس میں ملازم ہیں۔ لیکن اس وقت ان سے ملاقات کو ان کے دولت کدے پر ملاقات کے لیے ملتوی کر دیا۔

مولوی آسی کے ہاں بہت تھوڑے وقت میں بہت سی نایاب اور نادر کتابیں دیکھنے کا موقع ملا۔ مخطوطات میں دیوان امیر تیمور، دیوان منوچہر دامغانی، بحرالمنافع ٹیپو سلطان، مصحفی کے تین دیوان، دیوان حافظ، مثنوی مولانا روم، اور کتنی نایاب مطبوعات موجود تھیں۔ مولانا آسی مرحوم کے بارے میں مولانا وفائی مرحوم نے یہ بھی لکھا ہے کہ مولوی آسی ایک لغت مرتب کر رہے ہیں جس میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر لفظ کی تذکیر وتانیث کی صراحت ہوگی اور ہر لفظ کی سند میں کسی شاعر یا استاد کا شعر درج ہوگا یہ لغت اہل اردو کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔ اس کتاب سے آسی صاحب کی محنت اور ان کے معلومات کی وسعت کا بھی پتا چلے گا۔ مولانا وفائی مرحوم نے آسی صاحب کی تصنیفات وتالیفات جو چھپ چکی ہیں ان کی فہرست بھی دی ہے اور ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:

"آسی صاحب علمی ذوق رکھنے والے ایک مسکین اور ادھیڑ عمر کے ایک عیال دار شخص ہیں ایک معمولی گھر، حقہ، پان کا ڈبہ (پان دان) اور کتب خانہ ان کی ملکیت اور ان کا کل سرمایہ ہے۔ مولوی صاحب نول کشور پریس میں ایک معمولی تنخواہ پر ملازم ہیں اور کچھ آمدنی کتابوں کی فروخت سے ہو جاتی ہے۔

بیشک زمانہ ہر حال میں اور ہر وقت اہل علم اور اصحاب ذوق کی قدر نہیں کرتا اس قسم کے اشخاص ہمیشہ تنگ دستی میں گزارا کرتے رہے ہیں۔

مولانا دفائی مرحوم نے اپنے سفر نامے میں مولوی آسی کے کتب خانے کے ایک مخطوطے "تجربات ہفت احباب" کا خاص طور پر ذکر کیا ہے یہ مخطوطہ کیمیا یا فن اکسیر میں تھا اس میں سات ماہرین کے جنگلوں اور بیابانوں میں جانے اور تجربات کرنے کا ذکر کیا ہے ان سات ماہرین میں ایک ہندو جوگی یا سنیاسی ہے باقی چھ مسلمان ہیں جن کے نام یہ ہیں :

(۱) میر سید محمد ہاشم بخاری (اچ) (۲) میر سید طیب اودھی (۳) شیخ نصیر الدین نارنولی
(۴) مولانا محمد صادق ملتانی (۵) شیخ حمید الدین ناگوری (۶) شیخ سلیمان مروی۔

مولانا دفائی لکھتے ہیں :

"یہ ایک عجیب اور نایاب مخطوطہ ہے۔ مولوی آسی اس کی فروخت کے لیے آمادہ بھی نظر آئے لیکن کوئی صاحب ذوق اور فن کا سودائی ہوتا تو خرید و فروخت کا معاملہ طے پاتا۔"

صدیق بک ڈپو، لکھنو

آسی صاحب سے مل کر ان کے کتب خانے کی سیر کے بعد مولانا دفائی اور ان کے ساتھ میر حسام الدین راشدی صاحب صدیق بک ڈپو گئے مولانا لکھتے ہیں :

"اس کے بعد امین آباد چوک میں لکھنو کے ایک بڑے اردو کتب خانے "صدیق بک ڈپو" کی سیر کی جہاں سارے ہندوستان کے ہزاروں اردو مصنفوں کی تصانیف کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ اس ذخیرے کی کتابوں کی فہرست ہی کی قیمت آٹھ آنے ہے سید حسام الدین نے وہاں سے چند کتابیں بھی خریدیں۔"

مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی سے ملاقات اور کتب خانہ ندوۃ العلماء کا معائنہ :

دوسرے روز سب سے پہلے مسلمانوں کے مشہور کالج ندوۃ العلماء کو دیکھنے کا ارادہ کیا چنانچہ پہلے ندوۃ العلماء کے سیکریٹری مولوی حکیم ڈاکٹر سید عبدالعلی بی ایس سی۔ ایم بی بی ایس سے امین آباد چوک میں ان کے کلینک میں ملاقات کی۔ ان کا تعلق سید احمد شہید رائے بریلی کے خاندان سے ہے وہ تذکرہ گل رعنا، نزہت الخواطر اور اطراف دہلی وغیرہ کتب کے مولف مولانا عبدالحی کے بیٹے

تھے وہیں مولانا وفائی کی ملاقات مولانا محمد عمران خان سے ہوگئی جو ندوۃ العلما کے پرنسپل ہیں ان سے طے ہوا کہ وہ مجھے دارالعلوم کا معائنہ کرائیں گے۔

اسی روز تقریباً بارہ بجے مولانا وفائی ندوہ پہنچے تو مولانا عمران خان پہلے سے وہاں موجود اور ان کے منتظر تھے۔ مولانا عمران خان ندوہ کے فارغ التحصیل اور علامہ سید سلیمان ندوی کے مشہور شاگرد تھے۔ وہ مولانا وفائی سے بہت اخلاق سے پیش آئے۔ اس وقت اگرچہ کتب خانہ بند ہونے کا وقت ہو گیا تھا لیکن انھوں نے اسے رکوا دیا۔ مولانا وفائی صاحب لکھتے ہیں:

"کتب خانہ ایک بڑے ہال میں تھا۔ کتابیں بہت ترتیب سے رکھی ہوئی تھیں نایاب کتابیں ایک الگ کمرے میں رکھی تھیں۔ اسی طرح نواب صدیق حسن خان کا کتب خانہ جو ان کے ورثا نے ندوہ کو دے دیا تھا الگ کمروں میں رکھا گیا تھا۔

مولانا عمران خان سے معلوم ہوا کہ ندوۃ کے کتب خانے میں اس وقت دو ہزار مخطوطات اور چوالیس ہزار مطبوعہ کتابیں موجود ہیں"۔

علامہ سید سلیمان ندوی سے شرف ملاقات:

ندوہ ہی میں مولانا وفائی مرحوم کی ملاقات مشہور عالم دین اور نامور مصنف و محقق علامہ سید سلیمان ندوی سے ہوگئی جو اس وقت ندوہ کے مہمان خانے میں مقیم تھے۔ مولانا وفائی ان کے چہرہ و اخلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ہلکا قد، گورا رنگ، سفید ریش، فرشتہ خصلت بزرگ، نفیس پوشاک میں ملبوس تشریف لے آئے اور بہت ہی اخلاق سے ملے اور ملاقات کا شرف بخشا اور تقریباً نصف گھنٹے تک گفتگو فرماتے رہے"۔

ندوہ سے رخصت ہو کر مولانا وفائی حسین آباد گئے اور آصف الدولہ کے امام باڑے کی سیر کی وہاں سے نکلے تو نواب محمد علی خان کے امام باڑے گئے۔ مولانا وفائی مرحوم کے لیے ان آثار میں عبرت و عظمت کے کئی پہلو تھے جو اپنی زبان سے ایک عہد کی تاریخ بیان کر رہے تھے۔ مولانا وفائی مرحوم کا قلب اس سیر و مشاہدے سے بہت متاثر ہوا لیکن انھوں نے افسوس کیا ہے کہ سید حسام الدین راشدی کے دل پر اس

کا کوئی اثر نہیں ہوا، فرماتے ہیں :

"مگر افسوس کہ بہ قول سید حسام الدین شاہ کے، ان کے دل پر ان عمارتوں کی تاریخی اہمیت اور فنی عظمت کا کوئی اثر نہیں ہوا"

اختر حسین و مبارک حسین :

جس روز مولانا وفائی صاحب لکھنو پہنچے تھے۔ اس روز چوں کہ شام ہوگئی تھی اس لیے کسی سے ان کی ملاقات یا کسی مقام کی سیر نہ کرسکے تھے۔ دوسرے روز شام کو راشدی برادران اپنے ایک دوست اختر حسین وکیل ورئیس لکھنو سے ملاقات کو گئے وہیں ان کی ملاقات اختر حسین کے چھوٹے بھائی مبارک حسین سے ہوگئی اور یہ طے پا گیا تھا کہ اس سے اگلے روز وہ مولانا وفائی صاحب کے پاس آجائیں گے اور انھیں لکھنو کے تاریخی مقامات کی سیر کرائیں گے۔ چنانچہ وہ حسب وعدہ آگئے تھے اور ڈاکٹر عبدالعلی سے ملاقات سے لے کر ندوہ کی سیر، علامہ سید سلیمان ندوی سے ملاقات اور امام باڑوں کی سیر و مشاہدہ انھیں کی معیت میں ہوا تھا۔ مولانا وفائی نے ان کے بارے میں لکھا ہے :

"چودھری مبارک حسین سے بہت معلومات حاصل ہوئیں۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے بزرگ شیعہ تھے اور لکھنو کے نوابوں کے ساتھ ان کی قرابت داری بھی ہے۔ لیکن یہ دونوں بھائی اہلسنت والجماعت ہیں ان کے بڑے بھائی شیشن جج ہیں"

مولانا وفائی کو لکھنو میں اور لوگوں سے ملنے اور سیر کرنے کی آرزو تھی لیکن انھوں نے افسوس کیا ہے کہ وقت کی تنگی کی وجہ سے ان کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی، وہ فرماتے ہیں :

"آخر بادلِ نخواستہ لکھنو جیسے خوبصورت اور ایک عجیب طرح کے نفاست پسند شہر کو دہلی کے لیے خیرباد کہنا پڑا لکھنو کا شہر ایسا ہے کہ :

کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا ایں جاست

حافظ محمود شیرانی :

لکھنو سے روانہ ہوکر ۷ اپریل کی صبح کو دہلی پہنچے سامان کارونیشن ہوٹل میں رکھا یہ ہوٹل فتح پوری مسجد

کے دروازے پر ہے یو بہت پر رونق جگہ ہے۔ راشدی برادران کے ساتھ انجمن ترقی اردو کے دفتر گئے وہاں حافظ محمود شیرانی سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حافظ صاحب مرحوم کے بارے میں انھوں نے لکھا ہے کہ وہ مشہور اہل قلم، مورخ اور ادیب ہیں اور انجمن ترقی اردو میں تصنیف وتالیف کے کاموں میں مصروف ہیں اس وقت ان کی دو کتابیں چھپ رہیں تھیں۔ علامہ شبلی کی مشہور کتاب شعر العجم کی تنقید اور محمود غزنوی اور فردوسی کا قصہ۔

اسی روز شام کو دوبارہ ان سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا ان کی پوری زندگی نایاب کتابیں جمع کرنے میں گزری ہے۔ فارسی ادب وشاعری پر ان کی گہری نظر ہے انھوں نے اب تک جو نایاب کتابیں جمع کی تھیں وہ سولہ ہزار روپے میں پنجاب یونی ورسٹی کے کتب خانے میں فروخت کر دیں۔ تقریباً ستر سال کی عمر ہے۔ افغانی بدن، رنگ سانولا، ریش تراشیدہ، سفید مونچھیں، قد آور پورے پورے دن کام میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن تکان کا نام ونشان بھی نظر نہیں آتا۔ سندھی زبان کی ساخت اور سندھ میں قلمی کتابوں کے ذخیرے کے بارے میں دیر تک گفتگو کرتے رہے۔

مولوی محمد علی قصوری:

دہلی میں مولانا وفائی کی ملاقات مولوی محمد علی قصوری ایم۔ اے (کنٹب) سے ہوگئی۔ ان سے مولانا کی ملاقات ۱۹۲۶ئ میں صرف چند منٹ کی بمبئی میں ہوئی تھی اور اب بیس برس کے بعد سامنا ہوا تھا مولانا نے یہ ایں الفاظ ان کے حافظے کی داد دی ہے کہ اس شخص کا حافظہ غضب کا ہے مجھے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ محمد علی کے بارے میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے:

> "محمد علی عربی کے ایک زبردست فاضل اور قرآن کے زبردست ماہر ہیں انگریزی زبان کی مہارت میں بھی ہندوستان میں ان کے پائے کا شخص ملنا مشکل ہے قصوری مولویوں کا یہ دینی خاندان ہے جس کی عظمت کا ذکر مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے "تذکرہ" میں بہت محبت سے کیا ہے (اور "خاندان سعادت قصور" کے لقب سے یاد کیا ہے)۔

> مولوی محمد علی کے حافظے کا کمال یہ ہے کہ اگر وہ ایک دفعہ کوئی شعر سن لیتے ہیں تو ساری زندگی انھیں یاد رہتا ہے۔ اس طرح ہزاروں شعر انھیں بر زبان یاد ہیں وہ کابل

اور سرحد میں بہت دنوں تک رہے۔ سندھ کے حالات سے بھی بخوبی واقف ہیں۔"
مولوی محمد علی قصوری کے بارے میں ایک خاص بات مولانا دین محمد وفائی کے اس سفرنامے سے معلوم ہوئی مولانا لکھتے ہیں :

"محمد علی قصوری "برد مرد" ہیں یعنی نہ ان کے سر پہ بال، نہ بھویں، نہ داڑھی نہ مونچھیں۔ وہ قدرتی طور بالوں کی مصیبت سے آزاد ہیں۔ اللہ اللہ خیر سلاّ، تاریخ میں آیا ہے کہ صحابہ کرام میں جناب عبداللہ بن زبیرؓ بھی برد مرد تھے۔"

بابائے اردو مولوی عبدالحق :

مولانا وفائی مرحوم نے اپنے سفرنامے میں دو بار مولوی عبدالحق کا ذکر کیا ہے الہ آباد جاتے ہوئے راشدی برادران کے تذکرے کے ضمن میں کہ راشدی برادران مولوی عبدالحق "ابوالاردو" کے یہاں ٹھہرے تھے مولوی صاحب اگرچہ "بابائے اردو" کے لقب سے مشہور ہیں لیکن مولانا وفائی کے قلم سے ان کے لیے "ابوالاردو" نکلا جو بابائے اردو کا صحیح مترادف ہے۔

الہ آباد کے سفر سے پہلے مولوی صاحب سے ان کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ الہ آباد سے واپسی کے سفر میں راشدی برادران کے ساتھ ۷ اپریل کو مولوی صاحب سے ان کی ملاقات ہوئی اور وہ مولوی صاحب کے اخلاق اور اردو کی خدمت کے ان کے جذبۂ شوق سے بہت متاثر ہوئے لکھتے ہیں :

"اسی دن شام کو مولانا حالی کی یادگار اور مولوی عبدالحق صاحب سے ان کی انجمن ترقی اردو کے دفتر میں راشدی برادران کے ذریعے ملاقات ہوئی۔"

مولوی صاحب کے سراپا اور اخلاق کے بارے میں لکھتے ہیں :

"سفید ریش، متین اور سنجیدہ، سراپا اخلاق و فضائل، کوہ وقار بلکہ یادگار سلف نظر آئے، بہت آہستہ اور سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے۔ ان بزرگوں کو راشدی بھائیوں کے ساتھ بہت محبت ہے انھیں الہ آباد جانے سے قبل اپنے پاس مہمان ٹھہرایا۔

مولوی عبدالحق صاحب نے اردو زبان کی خدمت کے شوق میں اپنی ساری زندگی وقف کر دی اور "لیلیٰ اردو" کی محبت میں شادی بھی نہیں کی۔ اور زندگی کے باقی ایام بھی اردو کے

عشق میں اسی کا دامن پکڑے ہوئے گزارنے کا عزم کر رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان کا عشق سلامت رکھے اور عزم برقرار۔

انجمن ترقی اردو کا دفتر ڈاکٹر مختار احمد انصاریؒ کی مشہور رہائش "دارالسلام" میں ہے یہ بنگلہ بہت خوش نما اور عالی شان باغیچے کے اندر ہے۔ ایک پورا عملہ سارا دن کام میں مصروف نظر آتا ہے۔ مولوی صاحب کا خیال ہے کہ انجمن کے لیے ایک الگ مکان تیار کرایا جائے جس کے لیے تین لاکھ روپے کی ضرورت ہوگی۔ فی الوقت وہ ڈاکٹر انصاری مرحوم کے بنگلے کا ۱۵۰/- روپے ماہانہ کرایہ ادا کرتے ہیں"۔

جامع مسجد میں نماز پڑھنے کی آرزو:

مولانا وفائی نے جامع مسجد میں نماز پڑھنے کا بہت پر اشتیاق انداز میں ذکر کیا ہے اور جامع مسجد کا ذکر انھوں نے بہت والہانہ انداز اور دل فریب اسلوب میں کیا ہے ان کے دل کش انداز نگارش کا کچھ اندازہ ان سطروں سے کیا جا سکتا ہے:

"جامع مسجد دہلی سرزمین ہند میں مغل بادشاہ شاہجہاں کی ایک بے نظیر یادگار ہے گویا کہ اس نے ہندوستان میں ایک چھوٹا سا کعبہ قائم کر دیا ہے۔ مسجد کی تعمیر پر تین سو سال گزر چکے ہیں۔ زمانے میں کتنے ہی انقلاب آچکے ہیں۔ دہلی کا سہاگ لٹ چکا ہے۔ شاہجہاں کا خاندان مٹ چکا ہے۔ اس کی اولاد میں کوئی باقی نہیں رہا۔ مگر جامع مسجد آباد ہے، اس کی رونق برقرار ہے اور تعمیراتی حسن کے لحاظ سے جامع مسجد ایک سہاگن کے مانند نظر آتی ہے۔ اسے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے قدیم اسلامی شان و شوکت کی اس حسین یادگار کو دیکھتے ہیں تو سینے میں ایک درد اور سوز کی کیفیت پیدا ہوتی ہے"

مولانا وفائی مرحوم نے جامع مسجد کے قریب مشہور صوفی سرمد شہید کے مقبرے اور مولانا شوکت علی کے مزار کا بھی ذکر کیا ہے۔ مولانا شوکت علی کے لیے انھوں نے "میرے بزرگ قوم اور شہید ملت" کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور لکھا ہے کہ پہلے ان بزرگوں کے لیے فاتحہ پڑھی۔ دعاے مغفرت کی پھر جامع مسجد میں داخل ہوئے اور اس بات پر مسرت [illegible] اظہار کیا ہے کہ پہلی صف میں جگہ مل گئی اور نماز پڑھنے [illegible]

شرف حاصل ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک۔

مولانا عبیداللہ سندھی

جامع مسجد میں نماز پڑھ کر ہوٹل پہنچے تو پیر حسام الدین راشدی سے انھیں معلوم ہوا کہ مولانا سندھی دہلی آئے ہوئے ہیں اور شاید فتح پوری مسجد میں ہوں گے۔ مولانا وفائی ان سے ملاقات کے شوق میں نکل کھڑے ہوئے۔ مسجد فتح پوری پہنچ کو معلوم ہوا کہ مولانا ادارۂ شرقیہ میں ہوں گے وہیں ان سے ملاقات ہوسکتی ہے۔ مولانا وفائی وہاں سے ادارہ شرقیہ پہنچے اور مولانا سندھی کی ملاقات سے خوش ہوئے مولانا سے معلوم ہوا کہ انھوں نے "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے اس میں مغلیہ عہد حکومت کے آخری دور میں سیاسی ہلچل کا ذکر کیا ہے۔ کتاب لاہور سے شائع ہوئی ہے اور دو روپے آٹھ آنے اس کی قیمت ہے۔ مولانا سندھی کا خیال ہے کہ یہ کتاب ان کی سندھ ساگر تحریک کا سنگ بنیاد ہے اور اس کتاب کی روشنی میں لوگ ان کی تحریک (جمنا نربدا سندھ ساگر پارٹی کے مقاصد اور پروگرام) کو سمجھ سکتے ہیں۔

مولانا سندھی نے اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا کہ گاندھی ازم یا گاندھی جی تحریک لوگوں کو ملحد بنادے گی گاندھی جی نے ہندو مذہب کا دائرہ اتنا پھیلا دیا ہے کہ اس میں ہندو اور مسلمان سب آجاتے ہیں لیکن اس کے بعد نہ ہندو ہندو رہیں گے نہ مسلمان مسلمان باقی رہیں گے۔

اس سے بچاؤ کے لیے صرف شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحریک ہی کارآمد ثابت ہوسکتی ہے۔ ولی اللّہی تحریک کے مراکز سندھ میں قائم کیے گئے ہیں اور مسلمان نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے جامعہ ملیہ دہلی میں بیت الحکمت قائم کیا گیا ہے اور ابتدائی کام کا آغاز کر دیا گیا ہے۔

مولانا سندھی سے مولانا وفائی کی بہت مختصر ملاقات رہی لیکن اس مختصر ملاقات میں بھی مولانا سندھی مرحوم نے اپنی عادت کے مطابق بہت سی کام کی باتیں ان کے ذہن نشین کرادیں جن کا اظہار ان کے سفرنامہ میں ہوا ہے۔

واپسی کے سفر میں مولانا وفائی کو تین دن دہلی میں قیام کا موقع ملا تھا اس میں وہ متعدد لوگوں سے ملے لیکن اور بہت سے لوگوں سے ملنے اور بہت کچھ دیکھنے کی آرزو دل میں رہ گئی۔

روئے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

لاہور کے تاریخی مقامات:

مولانا وفائی ۱۰ اپریل کی شام کو دہلی سے روانہ ہوئے اور ۱۱ کی صبح کو لاہور پہنچ گئے راشدی برادران نے اسٹیشن سے ڈاکٹر محمد عالم بیرسٹر کو اپنے پہنچنے کی اطلاع دی اور سامان لے کر ان کے ہاں پہنچ گئے۔ دوسرے روز راشدی برادران نے کراچی روانگی کا ارادہ کیا لیکن ڈاکٹر صاحب نے اصرار کرکے انھیں روک ۱۳ اپریل کو راشدی برادران تو کراچی کو روانہ ہوئے اور مولانا وفائی اپنے ایک عزیز کے پاس آ گیا۔ ان کا ارادہ تھا کہ یہیں امرتسر میں مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی سے ملاقات کریں گے۔

لاہور میں مولانا وفائی مرحوم نے بادشاہی مسجد، قلعہ، شالامار باغ، عجائب گھر کی سیر کی تھی۔ اور جہانگیر اور نور جہاں کے مقبروں کو دیکھا تھا۔ مولانا نے تفصیل کے ساتھ ان مقامات کی تاریخی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور بادشاہی مسجد اور قلعہ پر فن تعمیر اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کے نشان کے نقطۂ نظر سے اظہار خیال ہے قلعہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "قلعے کی وسعت کتنے ہی میلوں پر محیط ہے اس میں مغلیہ بیگمات کے رہنے کا شیش محل ایک بے نظیر محل ہے۔ جو مغلیہ فن تعمیر کا ایک ہوشربا نمونہ ہے اس کے علاوہ دیوانِ عام، دیوانِ خاص، بادشاہ کی کچہری کے مقامات، فوارہ، باغیچہ، قطار اندر قطار عمارتوں کے سلسلے اسلامی شان و شوکت کی زندہ یادگاریں ہیں"۔

اسی قسم کی رائیں بادشاہی مسجد، جہانگیر کے مقبرے، شالامار باغ کے بارے میں دی ہیں اور ان عمارتوں پر نصب کتبات کو نقل کیا ہے اور ان کی تاریخی عظمت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے عجائب گھر کی سیر میں خمسہ نظامی، معجزاتِ مسیح اور فتح الحرمین کے مخطوطات ان کی نظر سے گذرے تھے ان کا ذکر کیا ہے لیکن عبرت و موعظت، دنیا کی بے ثباتی اور سبق آموزی کے پہلو کو کہیں نظر انداز نہیں کیا۔ لاہور میں ان کی سیر و سیاحت ان کے علمی، تاریخی اور اسلامی ذوق کی آئینہ دار ہے۔

مولانا محمد داؤد غزنوی:

سیر و سیاحت سے فراغت کے بعد مولانا وفائی نے حضرت مولانا داؤد غزنوی سے ملاقات کی وفائی صاحب لکھتے ہیں:

"سیر و سیاحت سے فراغت حاصل کرنے کے بعد مولانا محمد داؤد غزنوی ابن امام عبدالجبار غزنوی (امام اہل حدیث) سے ملاقات کا شرف حاصل کیا مولانا صاحب لاہور کی مسجد چینیاں میں پیش امام ہیں اور انجمن اہل حدیث لاہور کے صدر اور ایک مشہور سیاسی لیڈر ہیں"۔

مولانا نے مولانا غزنوی کے خلوص کی تعریف کی ہے۔ دوسرے روز انھوں نے وفائی صاحب کی دعوت کی۔ مولانا وفائی نے امرتسر کے سفر کا ارادہ ظاہر کیا چناں چہ ۱۵ اپریل کو چار بجے کی گاڑی سے مولانا غزنوی انھیں لے کر امرتسر روانہ ہو گئے۔ مغرب کی نماز امرتسر میں پڑھی اور مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی سے ملاقات کی۔

مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی

مولانا اسمٰعیل غزنوی کے بارے میں مولانا وفائی مرحوم نے لکھا ہے کہ مولوی محمد اسمٰعیل امیرانہ ٹھاٹ سے زندگی گذار رہے تھے، ان کا بنگلہ نہایت عالی شان ہے، فرش پر نہایت قیمتی قالین بچھے ہوئے ہیں، تعمیرات کا سلسلہ پورے سال جاری رہتا ہے۔ نوکروں چاکروں کا بہت بڑا عملہ ہے سوٹ ٹائی کا استعمال کرتے ہیں۔ انھیں مولانا محمد داؤد غزنوی کا قرب حاصل ہے"۔ مولانا وفائی کے شوق کتب کی تسکین کا یہاں بہترین سامان تھا۔ مولانا محمد اسمٰعیل کے بنگلے میں ایک الماری کھولی جو قدیم علمی کتابوں سے بھری ہوئی تھی۔ مولانا نے وفائی صاحب سے فرمایا اس میں سے جو کتابیں انھیں پسند آئیں وہ نکال لیں وہ ان کی ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں:

"کتابیں تو کئی پسند آئیں لیکن سفر کے بار اور نقل و حمل کی مشکل کی وجہ سے صرف ان کتابوں پر اکتفا کیا":

۱. ابجد العلوم، از نواب صدیق حسن خان، یہ ایک بے نظیر اور نایاب کتاب ہے بڑے سائز کے ۹۸۲ صفحوں میں ختم ہوتی ہے
۲. ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخلفاء، از شاہ ولی اللہ دہلوی، قدیم چھاپے کی جو آج کل دنیا میں نایاب ہے۔
۳. ہدایۃ السائل الی ادلۃ المسائل، از نواب صدیق حسن خاں، بالکل نایاب کتاب ہے۔
۴. المصفیٰ شرح الموطا، از مولوی وحید الزماں محدث، یہ شرح انھوں نے مکہ معظمہ میں لکھی تھی اب بالکل ناپید ہے
۵. فتاویٰ امام عبدالجبار غزنوی، اس وقت اس کا کوئی اور نسخہ موجود نہیں۔

۶۔ ظفر اللاضی بما یجب فی القضاء وعلی القاضی
۷۔ ذخیرۃ المحتی فی ادب المفتی
۸۔ طب الادب

آخرالذکر تینوں رسالے نواب صدیق حسن خان کے عربی میں ہیں اور ایک جلد میں مجلد ہیں۔

۹۔ آداب الشرعیہ للمقدسہ

ان کے علاوہ مولوی (محمد اسمٰعیل) صاحب نے ایک کتاب آداب الشرعیہ للمقدسہ نامی بہ طور تحفہ از خود عنایت فرمائی۔ یہ کتاب حال ہی میں مصر میں چھپی ہے اس کتاب میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر شارع پر عجیب انداز میں بحث کی گئی ہے"۔

مدرسہ سلفیہ اور اس کا کتب خانہ۔ امرتسر

مدرسہ سلفیہ کے نام سے غزنوی خاندان کا مدرسہ ہے۔ جو مولانا محمد اسمٰعیل غزنوی کی سرپرستی میں چل رہا ہے (ان کے بھائی) مولانا محمد داؤد غزنوی اس کے مہتمم ہیں۔ شام کو مدرسے کی لائبریری دیکھی جس میں غزنوی خاندان کی تین پیڑھیوں کی کتابیں جمع ہیں"۔

مولانا داؤد غزنوی کا کتب خانہ

مولانا داؤد غزنوی کا ذاتی کتب خانہ (لاہور والا) بھی معائنے میں آیا اس کتب خانے میں بہت نایاب اور نادر کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ سمعانی کی کتاب الانساب، جو ابھی تک چھپی نہیں ہے، اس کا ایک نہایت نایاب نسخہ اس کتب خانے میں موجود ہے۔

مولانا داؤد غزنوی اگرچہ مولوی اسمٰعیل کی طرح دولت مند نہیں تھے لیکن رہن سہن ان کا بھی امیرانہ ہے وہ ایک بہت اثر والے عالم اور لیڈر ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے بھی عطا کرتے"۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری

امرتسر کے اس سفر میں مولانا وفائی نے مشہور عالم دین مولانا امرتسری سے بھی ملاقات کی تھی

مولانا کی ان سے پرانی شناسائی اور برسوں کے تعلقات تھے۔ لیکن اس ملاقات کے تاثرات اور مشاہدات سے مولانا امرتسری کے بارے میں ہماری معلومات میں بیش قیمت اضافہ ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

"امرتسر کے مختصر قیام کے دوران میں ہندوستان کے مشہور مناظر اور متکلم مولانا ثناءاللہ صاحب سے بھی ان کے دفتر میں ملاقات کے لیے وقت نکالا مولانا مجھ سے پہلے سے واقف تھے مولانا اخبار اہل حدیث کے دفتر میں موجود تھے۔ چھوٹی چھوٹی ڈیسکوں سے ٹیک لگائے ہوئے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے اور اسی حالت میں ہو گئے۔ دفتر کا دوسرا عملہ بھی اسی جگہ فرش پر چھوٹے چھوٹے میلے گدیلوں پر بیٹھا ہوا کام کر رہا تھا۔ دفتر کا کام مولوی صاحب کے پوتے مولوی ضیاءاللہ کے سپرد ہے۔ جو ابھی تازہ دہلی کی جامعہ رحمانیہ سے فارغ التحصیل ہو کر آئے ہیں۔

مولوی (ثناءاللہ) صاحب سے مختلف موضوعات پر باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے مکان پر لے آئے جہاں ان کا کتب خانہ ہے مختلف علوم و فنون کی کتابیں الگ الگ شیلفوں میں لگی ہوئی ہیں۔

مولانا ثناءاللہ صاحب ہندوستان میں ایک ایسے منطقی، متکلم، اہل قلم اور مناظر ہیں۔ جن کے آریوں، قادیانیوں شیعوں اور بدعتیوں سے مناظرے کی سارے ہندوستان میں ڈھاک بیٹھی ہوئی ہے وہ اپنی تحریر میں بھی ایک خاص اسلوب اور اندازِ نگارش کے مالک ہیں۔ ان کی تحریر اتنی مختصر اور پُرمعنی ہوتی ہے کہ وہ جو بات چند جملوں میں لکھ دیتے ہیں، دوسرے اس بات کو بیسیوں جملوں میں مکمل نہیں کر سکتے۔

وہ مجھے اپنے کام کرنے کے خاص کمرے میں لے گئے۔ جہاں ان کے حوالے کی کتابیں رکھی ہیں جن کی انھیں اپنے علمی کاموں میں ہر وقت ضرورت پڑتی رہتی ہے انھوں نے مجھے اپنی کتاب تفسیر بالرائے کا ایک نسخہ بطور تحفہ عنایت کیا اور اس پر اپنے قلم سے یہ الفاظ تحریر کیے

"ہدیہ بخدمت مولانا دین محمد وفائی، کراچی، المہدی ابوالوفا ثناءاللہ امرتسری"

مولانا وفائی صاحب لکھتے ہیں:

"مولانا ثناء اللہ صاحب سے ایسی ملاقات اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں پتا چلا کہ وہ سراپا علم اور مجسم مناظرہ ہیں۔ ان کی عمر ۷۰ برس کی ہے مگر افسوس کہ اس میں روحانیت کا ذوق بالکل نہیں۔ جس سے ایک روحانی لذت اور سرور حاصل ہوتا ہے مولانا ایک بہت بڑے مال دار شخص ہیں۔ امرتسر میں ان کے متعدد مکانات ہیں۔ جن کا سیکڑوں روپے کا ہر ماہ کرایہ آتا ہے۔ کتابوں کی فروخت آمدنی ایک معقول ذریعہ ہے تقریباً پچیس ہزار روپے نقد جمع ہیں۔ یہ سب کچھ انھوں نے اپنی محنت اور ہمت سے کمایا ہے زندگی میں وہ کسی کے محتاج نہیں۔

اولاد کی طرف سے بھی خوش قسمت واقع ہوئے ہیں۔ ان کے فرزند مولوی عطاءاللہ نے جو اُن کے ایک ہی بیٹے ہیں، پریس کا سارا کام سنبھال لیا ہے۔ گویا کہ مال اور اولاد دونوں کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے اس محدث کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہے۔

اسلام کے دفاع اور مخالفوں کے اعتراضوں کے رد و جواب کے لیے مولوی ثناءاللہ صاحب کا دم سرزمین ہند میں غنیمت ہے۔ بارک اللہ فی عمرہ"۔

مولانا احمد علی لاہوری:

۱۷ اپریل کو جمعہ کے دن صبح کے وقت مولانا محمد داؤد غزنوی کے ساتھ امرتسر سے لاہور پہنچے مولانا غزنوی اپنی مسجد (چینیاں والی) تشریف لے گئے اور مولانا وفائی شیرانوالہ دروازے تشریف لے گئے۔ جہاں انھوں نے مولانا احمد علی صاحب کے پیچھے نماز جمعہ ادا کی۔ مولانا احمد علی عام طور پر "لاہوری" مشہور ہیں لیکن مولانا وفائی مرحوم نے انھیں "سندھی" لکھا ہے بلا شبہ مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم سے نسبت خاص رکھنے اور امروٹ شریف اور دین پور شریف کے بزرگوں سے بربنائے عقیدت و ارادت اگر انھیں "سندھی" کہا جائے تو درست ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

" جمعہ کی نماز شیرانوالہ دروازے کے اندر، مولانا حاجی احمد علی صاحب کے پیچھے پڑھی۔ نماز کے بعد مولانا صاحب سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مولانا صاحب ایک بے طمع اور بلند اخلاق شخص ہیں۔ شہر میں ان بزرگ کا بڑا اثر ہے اور علما کی جماعت

ہیں وہ ایک ممتاز مقام کے مالک ہیں ۔ انجمن خدام الدین ، مدرسہ قاسم العلوم اور مسجد کی بنیاد مولانا صاحب کی سعی اور محنت کا نتیجہ ہے ۔

سندھ سے انھیں عشق کی حد تک محبت ہے اور سندھ میں ان کے مرشد بزرگ حضرت مولانا تاج محمود صاحب قدس اللہ سرہٗ (امروٹی) کا مزار مبارک ہے مولانا احمد علی صاحب انھی تاریخوں میں سندھ آنے والے تھے لیکن لاہور میں برسات اور سردی کی لہر آجانے کی وجہ سے ان کی طبیعت پر اس کا اثر ہو گیا اور انھیں سندھ کا سفر ملتوی کر دینا پڑا۔"

واپسی کا سفر :

مولانا وفائی ۱۸ اپریل تک لاہور میں رہے ۔ وہیں انھوں نے سفر نامہ مکمل کیا ، لکھتے ہیں :

" یہ چند سطریں لاہور میں لکھ کر ختم کی ہیں ۔ آج ہفتہ ہے (یکم) ربیع الثانی (۱۳۶۱ھ) مطابق ۱۸ اپریل (۱۹۴۲ء) اب سفر کی تیاری ہے امید ہے کہ ۱۹ کی صبح کو سکھر (سندھ) پہنچ جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے "۔ . . . آمین ۔

مولانا وفائی مرحوم کا یہ سفر بیس دن کی مدت پر محیط اور ان کے علمی و تاریخی ذوق ، کتابوں کے شوق خصوصاً مخطوطات کے عشق کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ اس سے ان کے مسلک دینی اور اعلیٰ اخلاق اور بلند سیرت پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ اور اُن کے اسلوب تحریر اور اندازِ نگارش کی دل ربائیوں کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔

مولانا کا یہ سفر نامہ اگرچہ بہت طویل نہیں لیکن اس کی افادیت مستقل اور اس کا اسلوب تحریر قابل تقلید ہے اور اس لائق ہے کہ اس کی تاریخی و علمی یادگار کو اس کے شایانِ شان اہتمام کے ساتھ کتابچے کی شکل میں چھاپ دیا جائے ۔

یہ سفر نامہ یقین ہے کہ اس زمانے میں بھی الوحید یا توحید میں شائع ہوا ہوگا ۔ میرے سامنے ہفتہ وار آزاد (سندھی) کراچی کا "مولانا وفائی نمبر" ہے جو ۹ اپریل ۱۹۵۶ء کو شائع ہوا تھا "۔

مترجم : ابوسلمان شاہجہانپوری